سوال

(23)حضرت علی رضی اللہ عنہ کےلیے یہ خطاب اسداللہ بظاہر شیعوں کا گھڑا ہوا معلوم ہوتا ہے ؟

جواب

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

اسداللہ کے خطاب اور لقب میں خوبی ہے جو حضرت علی کےلیے رواج کیا ہے اور اس لقب کے ساتھ مشہور ہوگئے ۔کیا یہ خوبی حضرت علی ہی کےلیے پائی جاتی تھی؟ اور دیگر خلفائے راشدین وصحابہ کرام میں نہیں پائی جاتی تھی ؟ جنگل کا شیر بھی تو اللہ ہی کا شیر ہے پس کسی انسان کو اس لقب اور وصف کے ساتھ کس زمانہ سے ذکر کیا جاتا ہے ۔حضرت علی کو اسداللہ کا خطاب کس نے دیا اور خطبہ جمعہ میں ان کو اس لقب اور وصف کے ساتھ کس زمانہ سے ذکر کیا جاتا ہے ۔حضرت علی کےلیے یہ خطاب بظاہر شیعوں کا گھڑا ہوا معلوم ہوتا ہے ؟ میر حسن شاہ یحیی گنج لکھنؤ

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علی رسول اللہ، أما بعد!

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے اور مشہور بات ہے کہ جری اور دلیر ، شجاع اور بہادر شخص کو بطور تشبیہ یا استعارہ شیر (اسد) کہا جاتا ہے (ملاحظہ ہو : بلاغت کے فن ثانی ، علم بیان کے مباحث) اور اللہ کی راہ اور اس کے دین کی نصرت وحمایت میں شجاعانہ امتیازی کام کرنے والے کو اللہ کی شیر (اسداللہ) کہا جاتا ہے ۔اسی بنا پر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے جنگ حنین کے موقع پر ابوقتادہ انصاری کو اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر کہا تھا ۔چنانچہ فرمایا : ''لاہااللہ إذا لا یعمد إلی أسد من إسد اللہ، یقاتل عن اللہ ورسولہ فیعطیک سلبہ ،، (بخاری عن ابی قتادۃ 5 101 ،مسند احمد عن انس 3 19) اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت حمزہ کے متعلق فرمایا ''إن حمزة مکتوب في السماء ، أسد اللہ وأسد رسولہ ،، (فتح الباري بحوالہ ابن ہشام (2/96) ذکر قتل حمرۃ 7/371) اسی حدیث کی رو سے بن سعد نے حمزہ کا ترجمہ ''اسداللہ واسد رسولہ ،، کے وصف سے شروع کیا ہے (طبقات ابن سعد طبع لیدن 3 8) اور اسی صفت شجاعت وجرات کو مدنظر رکھ کر حضرت انس نے اپنے اور تمام صحابہ کے متعلق فرمایا : ''خطبنا أبو بکر وکنا کالثعالب ، فما زال یشجعنا حتی صرنا کالأسود ،، (منہاج السنہ 2،156)۔

اس میں شک نہیں کہ جنگل کا شیر بھی اللہ ہی کا شیر ہے ۔لیکن بعض انسانوں پر مطلق شیر یا بعض شخصیتوں پر لفظ ''شیر ،، کو اللہ کی طرف منسوب سلسلہ میں شجاعانہ امتیازی کارنامے انجام پذیر ہوئے ۔دنیا کی سب اونٹنیاں اللہ ہی کی ہیں ۔لیکن حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو خصوصیت کے ساتھ ''ناقة اللہ ،، کہا گیا ۔دنیا کے تمام گھر اور عبادت خانے اللہ ہی کے ہیں ۔لیکن خانہ کعبہ کو خاص طور پر '' بیت اللہ ،، کہا گیا ۔تمام تلواریں اللہ ہی کی ہیں لیکن حضرت خالد کو سیف من سیوف للہ کہا گیا ۔ تخصیص کو جو وجہ ان مثالوں میں ہے وہی صورت مسؤلہ میں بھی ہے ۔

جو لوگ حضرت علی کو اسداللہ (شیر خدا) کہتے ہیں ان کے نزدیک اس لقب کا سبب حضرت علی کی شجاعت وجرات اور دلیری وبہادری ہے ۔لیکن یہ سمجھنا کہ اس تلقیب وتوصیف

کےلیے جس مجاہدانہ دینی شجاعت اور طبعی جرات کی ضرورت ہے وہ صرف حضرت علی میں تھی اور کسی دوسرے صحابی میں یہ خوبی نہیں تھیں قطعاً غلط اور یکسر باطل ہے۔ حضرت علی یقینا بہادر اور شجاع تھے۔ لیکن حقیقت اور وقعہ یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ کے بعد صحابہ کرام میں سب سے زیادہ جری اور شجاع حضرت ابوبکر تھے، ان کے بعد شجاعت میں حضرت میں عمر کادرجہ ہے اور بقیہ تمام صحابہ جن میں حضرت علی بھی داخل ہیں بلاشبہ اس وصف میں حضرات شیخین سے کمتر ہیں۔ شجاعت کی جو صورتیں ذکر کی جاتی ہیں :

(1) خطرات و مصائب میں دل کا قوی اور ثابت و مطمئن رہنا اور ارادہ کی پختگی او صبر و استقلال و عدم جزع۔

(1) میدان جنگ میں زیادہ سے زیادہ دشمنوں کو قتل کرنا۔ ظاہر ہے کہ پہلی قسم شجاعت کی اعلی ترین صورت ہے اور اس میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی کوئی صحابی بھی ہمسر نہیں کرسکتا۔ جنگ بدر، آں حضرت ﷺ کی وفات تجہیز جیش اسامہ۔ مرتدین سے جہاد کے مواقع میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جس بے نظیر قلبی شجاعت اور صبر وسکون اور اطمینان و قوۃ یقین اور ارادہ کی پختگی کا اظہار کیا ہے، دنیائے اسلام اس کی نظیر نہیں پیش کرسکتی۔ رہا دعوی کہ حضرت علی دینی جہاد میں تمام صحابہ سے اعلی وارفع تھے اور ان کے جیسے مجاہدانہ کارنامے کسی صحابی سے نہیں صادر ہوئے تو یہ بھی قطعاً غلط اور لغو ہے۔ جہاد کی تین قسمیں ہیں :

(1) زبانی اور تبلیغی جہاد۔

(2) میدان جنگ میں جنگی تدبیروں اور مشوروں اور مشوروں کے ذریعہ جہاد۔

(3) آلات جنگ کے ذریعہ جسم کا جہاد۔

پہلی دونوں صورتیں جہاد کی اعلی اور افضل ترین قسمیں ہیں۔ اور تیسری قسم جہاد کا معمولی مرتبہ ہے۔ ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ آں حضرت ﷺ سے بڑھ کر شجاع اور جری اور آپ سے زیادہ مجاہد فی الدین ہونا تو درکنار، اس وصف میں آپ کا کوئی برابر بھی نہیں ہے۔ لیکن کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ساری عمر میں صرف ایک دشمن اسلام ابی بن خلف کو جنگ احد کے موقعہ پر قتل کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ جہاد بالید جہاد کی ایک ادنی ترین نوع ہے۔ البتہ جہاد کی پہلی دونوں قسموں کی ساتھ آں حضرت ﷺ بدرجہ اتم متصف تھے۔ اور آپ کا شریک و سہیم نہیں ہے۔ اور تیسیری قسم میں بھی حضرت علی تنہا و منفرد نہیں ہے اس وصف میں حضرات شیخین بھی ان کے شریک ہیں اور بہت سے صحابہ تو حضرت علی کے برابر ہی نہیں بلکہ ان سے بڑھ کر ہیں۔ اگر حضرت علی آپ ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک رہے اور ان کے ساتھ میں علم رہتا اور کسی جنگ میں ان کا فرار منقول نہیں، تو حضرات شیخین رضی اللہ عنہما بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے اور کسی معتبر روایت سے ان کا فرار ثابت نہیں۔ بلکہ حضرات حضرات شیخین رضی اللہ عنہما جن بعوث و سرایا میں میرا بنا کر بھیجے ان کی تعداد حضرت علی کے بعوث و سرایا سے زیادہ ہے۔ جنگ بدر میں حضرت علی کے مقتولین کی تعداد زیادہ سے زیادہ گیارہ بتائی جاتی ہے۔ ان میں بھی چھ کے متعلق اختلاف ہے کہ ان کے قاتل علی ہیں یا کوئی اور صحابی۔ حضرت براء بن مالک نے علی سبیل المبارزہ بلا شرکت غیرے مختلف جنگوں میں سو کافروں کو قتل کیا۔ اور خالد بن ولید کے مقتولین کی تعداد تو بے شمار ہے۔ غزوہ موتہ میں ان کے ہاتھ میں آٹھ تلوارین ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے کا واقعہ کس سے پوشیدہ ہے؟ کیا حضرت علی کو بھی یہ فخر ہے؟ حضرت طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص، حمزہ، عبیدہ بن الحرث، مصعب بن عمیر، سعد بن معاذ، ابو دجانہ کے مشہور امتیازی جنگی کارمے کس سے مخفی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک حضرت علی کا ہمسر اور شریک و سہیم ہے۔

جنگ خندق میں حضرت علی کا عمرو بن عبدود جیسی معروف شخصیت کو قتل کرنا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے، اس واقعہ کے متعلق روایات میں جس مبالغہ سے کام لیا گیا ہے، وہ قطعا صحیح روایات کے خلاف ہے۔

خیبر کے بعض قلعے عنوۃ (زبردستی) اور بعض صلحا فتح ہوئے اور اس میں شک نہیں کہ قلعہ قموص حضرت علی کی قیادت میں فتح ہوا، لیکن وہ محض آں حضرت ﷺ کی دعا کی برکت سے، جس طرح اس سے پہلے دوسرے قلعے دوسرے صحابہ کی قیادت میں آنحضرت ﷺ کی برکت سے فتح ہوئے۔ پس حضرت علی کو یہاں بھی کوئی امتیازی شرف حاصل نہیں ہے۔ قلعہ کے در کو جو سرتا پا پارہ جنگ تھا اور جس کو ایک روایت کو مطابق، واقعہ کے بعد ایک روایت کے مطابق آٹھ آدمی اور دوسری روایت کے مطابق چالیس آدمی نہ اٹھا سکے۔ اکھاڑ کر اس سے سپرد کا کام لینے کی راویتیں بازاری قصے ہیں۔ علامہ سخاوی نے ان روایتوں کے متعلق تصریح کردی ہے کہ ''کلھا واہیۃ''، سب لغو روایتیں ہیں۔ امام ذہبی

نے اس رویت کو ''منکر،، بتایا ہے۔ تعجب ہے امام حاکم اور صاحب کنزالعمال اور صاحب مجمع الزوائد وصاحب اسد الغابہ پر کہ انہوں نے حضرت علی کے مناقب میں اس جیسی بے سروپا لغوروایتیں اپنی کتابوں میں بھر دیں۔ حضرت علی کا مرحب یہودی کو قتل کرنا مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ مغازی موسی بن عقبہ۔ مغازی کی معتبر ترین کتاب ہے اس میں برویت حضرت جابر وسلمہ بن سلامہ و مجمع بن حارث مرحب کا قاتل محمد بن مسلمہ کو بتایا ہے۔ (زادالمعاد3 341) اسی لئے ائمہ مغازی محمد بن اسحق و موسی بن عقبہ اور واقدی مرحب کا قاتل محمد بن مسلمہ ہی کو بتاتے ہیں: ''خالف ذلک أہل السیر، فجزم ابن اسحق و موسی بن عقبۃ والواقدي بأن الذي قتل مرحبا، ہو محمد بن مسلمۃ، کذا روي احمد باسناد حسن عن جابر، وقتل إن محمد بن مسلمۃ کان بارزہ فقطع رجلیہ فاجہز علیہ علی،، (فتح الباري 7/478).-

آں حضرت ﷺ کے وفات کے بعد ایران اور روم کی کسی جنگ میں حضرت کی شرکت ثابت نہیں ہے۔ تعجب ہے کہ ان کی شجاعت وبہادری فقط آں حضرت ﷺ کے زمانے تک کیوں رہی۔ اور آپ ﷺ کے ارتحال کے ساتھ ان کی شجاعت کیوں ختم ہوگئی، شجاعت وجرأت کے اظہار کا سب سے زبردست اور ضروری موقعہ وہ تھا جب بقول اخوان یوسف، خلافت پر دوسروں نے غاصبانہ اور ظالمانہ قبضہ کرلیا تھا مگر افسوس! شاید تقیہ کی نذر ہوگئی ہوگی۔ جنگ جمل اور نہروان میں حضرت علی بظاہر منصورہ وغالب تھے، لیکن یہ محض اس وجہ سے کہ ان کی فوج کی تعداد فریق مقابل سے کئی گنا زیادہ تھی۔ لیکن باایں ہمہ وہ ان پر پورا اقابو حاصل نہ کرسکے اور یہ فتنہ آخر دم تک دبا نہ سکے، اور ہمیشہ ان معاملات کی وجہ سے مضطرب وپریشان وغیر مطمئن رہے۔ اس سے ان کی جنگی تدبیروں اور سیاست میں مہارت کی حقیقت بھی واضح ہوجاتی ہے

پس ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ حضرت علی شجاعت اور جہاد فی الدین کی ادنی ترین قسم کے اعبار سے بلاشک وشبہ شجاع اور جری تھے۔ یہاں تک کہ دشمن بھی اس کا اقرار کرنے پر مجبور تھے۔ چنانچہ اسید بن یاس بن زنیم کنانی، قریش کو ان کے خلاف ابھارتا ہوا کہتا ہے:

فی کل مجمع غایۃ أخزاکم جذع ابر علی المذاکی القرح

للہ درکم لما تذکروا قدیذکرالحر الکریم ویستحی

ہذا ابن فاطمۃ الذي أفناکم ذبحا بقتلہ بعضہ لم یذبح

این الکھول واین کل دعامۃ؟ فی المعضلات وأین زین الأبطح؟

لیکن جہاد بالید کی یہ خوبی ان کے ساتھ مخصوص نہیں تھی۔ متعدد صحابہ ان کے اس وصف میں شریک ہی نہیں، بلکہ ان سے بڑھ کر شجاع اور میدان جنگ کے مشہور شہسوار تھے۔ اور شجاعت کی اعلی ترین صورت اور جہاد فی الدین کی افضل ترین دونوں قسمیں تو آں حضرت ﷺ کے بعد حضرات شیخین کے ساتھ مخصوص تھیں۔ پس حضرت علی کو شیر خدا (اسداللہ) کا لقب اور خطاب دنیا کسی بنیاد اور اصل پر مبنی نہیں ہے ان سے زیادہ اس لقب کے مستحق حضرت ابوبکر و عمر، طلحہ، زبیر، ابو دجانہ، خالد بن ولید، براء بن مالک، حمزہ وغیرہ ہیں۔

ہمارے نزدیک بلاشک وشبہ حضرت علی کےلیے یہ لقب شیعوں کا گھڑا ہوا ہے۔ حضرت علی کو اس لقب کے ساتھ نہ آں حضرت ﷺ نے ملقب فرمایا ہے، نہ کسی خلیفہ راشد نے، نہ دیگر صحابہ کرام یا تابعین عظام نے، اور نہ کسی صاحب سیرۃ ومغازی نے، بخلاف حضرت حمزہ کے کہ جبرئیل امین علیہ السلام نے ان کو یہ لقب عنائت فرمایا ہے۔ جیسا کہ ابن ہشام کے حوالے سے اوپر گزر چکا ہے۔ پس اگر حضرت حمزہ کو ''اسداللہ،، کہا جائے تو بلاشبہ درست ہوگا۔

ہاں حضرت علی کی ماں فاطمہ بنت اسد نے حضرت علی کا نام دو وجہوں سے (اسد) کہا تھا،:

(1) حضرت علی کے نانا کا نام اسد تھا۔

(2) عربوں کا دستور تھا کہ بطور تفاؤل اپنے بیٹوں کا نام اسد۔ نمر۔ فہد۔ کلب۔ حجر۔ فہر وغیرہ رکھتے تھے ''قال مصعب بن الزبیر الزبیري: کانت فاطمۃ بنت أسد من ہاشم، أول ہاشمیۃ

ولدت من ہاشمی ،اِلی أن قال . وکان اسم علی أسد ، ولذلک یقول : .

أنا الذي سمتنی أمی حیدرہ   کلیت غابات کریۃ المنظرہ

(المستدرک للحاکم 3/108)

حضرت علی کانام ''اسد،، ہونااس شعرسے واضح ہے ۔یہ شعر مسلم حدیث نمبر(1806)3 1432، طبری :1579، زادالمعاد3 321، کنزالعمال 5 275میں موجودہے ،لیکن حضرت علی ماں کے تجویزکردہ اورپسندیدہ نام کے بجائے ابوطالب کے تجویزکردہ نام علی کے ساتھ معروف ومشہور ہوگئے ۔علامہ ابن الجوزی فرماتے ہیں : ''مسئلۃ :إن قال قائل : قد سمعنا عن علی ،أنہ قال : أنا الذي سمتنی امی حیدرہ ولا نعلم أنہ کان یدعی بہذاالاسم ، الجواب : أنہ لما ولد سمتہ امہ فاطمۃ بنت اسد بن ہاشم باسم ابیہا أسد ، وسماہ ابوطالب علیا ، ، فغلب علیہ ماسماہ الوطالب ، ذکرہ عبدالغنی الحافظ ، ، (تنقیح فہوأہل الاثرص : 377).

لیکن شیعوں نے حضرت علی کی شجاعت وجرأت کے بے اصل وبے سروپااورگھڑے ہوئے واقعات کی بناء پران کے بحیثیت اسداللہ کے ساتھ مشہور کردیا ۔اور آہستہ آہستہ یہ لقب حضرت علی کےلیے سینوں میں بھی رواج پذیر ہوگیا ۔ سینوں میں لقب کی حیثیت سے اس وصف کے معراج پانے کا سبب محبت اہل بیت میں غلواورافراط ،اوران علماء کااثر ورسوخ ہے جو تفصیلی تھے ،یا تشیع ورفض کے طرف میلان ورجخان رکھتے تھے ۔یا یہ تیجہ شیعوں سے قرب ومجاورت کا ، جیسے تعزیہ داری وغیرہ شیعوں کی ہمسائیگی کی وجہ سے سینوں میں ،اوربہت سے مشرکانہ رسم ورواج ،ہندوؤں کی مجاورت کی وجہ سے مسلمانوں میں رواج پذیر ہوگئے ہیں ،اسی طرح یہ بے بنیادلقب میں رواج پاگیا ۔افسوس ہے کہ سینوں نے اس کی تحقیق وتفتیش کی ضرورت نہیں سمجھی اورآنکھ بیدکرکے اختیار کرلیا ۔

خطبہ جمعہ میں خلفائے راشدین کے تعظیمی القاب اوراہل بیت وحضرت عباس وحضرت حمزہ رضی اللہ عنہما دیگر عشرہ بشرہ کانام لیا جانا غالباً عہدی بنی عباس کی پیداوار ہے ۔جب سنی اورشیعہ کی تفریق مذہبی حیثیت سے نمایاں کی گئی اورخطبہ جمعہ میں حضرت علی کواسداللہ الغالب کے لقب سے ذکرکئے جانے زمانے کی تعیین افسوس ہے کہ نہیں ہوسکی ۔

(محدث ج :8ش :10محرم 1360ھ فروری 1941ء)

ھذا ما عندي واللہ أعلم بالصواب

[فتاویٰ شیخ الحدیث مبارکپوری](#)

جلد نمبر 1

صفحہ نمبر 65

محدث فتویٰ